JIHĀT-UL-ISLĀM
Vol: 14, Issue: 02, January –June 2021

OPEN ACCESS
JIHĀT-UL-ISLĀM
pISSN: 1998-4472
eISSN: 2521-425X
www.jihat-ul-islam.com.pk

علوم القرآن میں علم الآثار سے استشہاد کی اہمیت
اردو تفاسیر کی روشنی میں

Importance of Archaeological Evidence in Quranic Studies: In the Light of Urdu Exegeses

Hafiz Muhammad Saeed*
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Gov. Islamia College, Railway road, Lahore.
Usama Siddiqui**
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Gov. Islamia College, Railway road, Lahore.

Abstract

In Urdu exegetic literature, evidences have been taken, when needed, from the signs of the cursed nations. If the mufassirin get some authentic archaeological information about these remaining signs, they include the same in their exegesis. They also seem to be taking evidences from the latest research in the field of archaeology. As in today's world archaeology has assumed the role of a proper science, its research and archaeological support cannot be ignored or undervalued. And in such debates, the role of archaeology emerges as the servant of the Quran. In the contemporary world archaeology, by using the latest technology, has helped locate and analyse the details about the cursed land of the Prophet Lot (AS) and the overturned towns in the seabed. In this way, the clear statements and orders of the Quran have been authenticated word for word. This authentication is a source of evidence for many mufassirin especially the Urdu mafassirin. In this way, the scientific help provided by archaeology brings the truths upheld by the Quran to light.

This evidence has facilitated a best exegesis of the archaeological places mentioned in the Quran. By employing the insights and evidences provided by the modern archaeology, the mufassirin have uncovered for the mankind different aspects of the Quran loaded with visual proofs carrying reproof and warning.

Keywords: *archaeology, Quran, Urdu Tafaasir.*

CC BY

پسِ منظر: اردو کا تفسیری ادب اپنے پہلو میں وقیع علمی اضافوں کا قیمتی ذخیرہ لیے ہوئے ہے۔اگرچہ اردو زبان کی قدامت کچھ زیادہ نہیں لیکن اسلام کی تشریح و توضیح اور تفہیم دین میں اس زبان کی خدمات، کیفیت اور کمیت کے لحاظ سے بے مثال ہیں۔اردو کے تفسیری ادب میں دیگر خوبیوں کے ساتھ ساتھ عصری تحقیقات سے استفادہ اور استشہاد اس کی نمایاں خصوصیت ہے۔ علمائے راسخین کی ایسی تفاسیر ہیں جن میں علم وحی کی برتری کو مان کر دیگر عصری علوم بالخصوص علم الآثار سے استفادہ واستشہاد کیا گیا ہے۔

اس خطے میں انگریزی استعمار نے جب سیاسی سرپرستی میں عیسائی مشنریز اور مستشرقین کے ذریعے اسلام کو مورد اعتراض بنایا تو اس کے دو خصوصی ہدف تھے ایک قرآن اور دوسرے صاحب قرآن ﷺ۔اس کے جواب میں علماء میدان میں آئے اور اپنی استعداد کے مطابق ان اعتراضات کا مؤثر جواب دیا۔ اس تناظر میں مفسرین نے فیصلہ کیا کہ جدید مغربی علوم بشمول آرکیالوجی سے فہم قرآن میں استفادہ کیا جائے۔اور بالخصوص قصص قرآنی کے ذیل میں علم الآثار کی دریافتوں اور سائنسی طرزِ فکر سے فائدہ اٹھایا جائے۔ چنانچہ اردو مفسرین کی ایک معقول تعداد نے آرکیالوجی سے استفادہ کیا۔اس استفادے کے مرحلے کو طے کرنے کے بعد فہم قرآن میں ان آثاری شواہد سے استشہاد کا رجحان پیدا ہوا۔

اس طرح سے قرآنِ مجید کے مخصوص مقامات کی توضیح میں صداقت قرآنی کو علم الآثار کے شواہد (Archaeological evidence's) اور مؤیدات میسر آنے لگے۔ پھر بتدریج علم الآثر سے استشہاد علمی روایات میں بدل گیا۔اور یوں علم الآثار کو علوم القرآن کی صف میں خادم قرآن ہونے کا شرف حاصل ہو گیا۔ قوم نوحؑ سے لے کر قوم فرعون اور نعش فرعونی کے آثار مغضوبہ کو سائنسی اور فنی بنیادوں پر سمجھانے کے لیے اس علم سے استشہاد ضروری قرار دیا۔زیر بحث عنوان کے تحت اردو کے تفسیری ادب میں علم الآثار سے استشہاد کے شواہد پیش کیے جا رہے ہیں۔ جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ہمارے جلیل القدر اردو مفسرین نے کسی ذہنی مرعوبیت اور جدید علوم سے بے جا نفرت کیے بغیر کس طرح استفادہ کیا۔اور اس علم کو علوم وحی کی تائید میں بطور دلیل واستشہاد کے پیش کیا۔

ا۔ قوم نوحؑ:

اللہ نے انسان کو فطرت توحید پر پیدا کیا ہے۔ حضرت آدمؑ سے ہزار سال تک انسانیت اس ہدایتِ الٰہی پر مضبوطی سے قائم رہی۔ اس کے بعد شرک کے جراثیم ان کے بڑوں کے نام پر ان میں سرایت ہو گئے اور بالآخران تماثیل کو بالواسطہ معبود کا درجہ مل گیا۔ بت پرستی کا مرض ان میں شدید تھا اور چھوٹے چھوٹے قبائل کے نام پر علیحدہ علیحدہ بت تھے۔ان کے ہاں بتوں کی اس قدر کثرت تھی کہ ان کے موسوم کیے ہوئے بت ہی پورے عرب میں پھیل گئے۔ شرک کی گرم بازاری انہیں کی وجہ سے تھی۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ ان کے بتوں کی قبائلِ عرب کے ہاں جو تقسیم تھی، اس سے آگاہ فرماتے ہیں:

> عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، «صَارَتِ الأَوْثَانُ الَّتِي كَانَتْ فِي قَوْمِ نُوحٍ فِي العَرَبِ بَعْدُ أَمَّا وَدٌّ كَانَتْ لِكَلْبٍ بِدَوْمَةِ الجَنْدَلِ، وَأَمَّا سُوَاعٌ كَانَتْ لِهُذَيْلٍ، وَأَمَّا يَغُوثُ فَكَانَتْ لِمُرَادٍ، ثُمَّ لِبَنِي غُطَيْفٍ بِالْجَوْفِ، عِنْدَ سَبَإٍ، وَأَمَّا يَعُوقُ فَكَانَتْ لِهَمْدَانَ، وَأَمَّا نَسْرٌ فَكَانَتْ لِحِمْيَرَ لِآلِ ذِي الكَلاَعِ، أَسْمَاءُ رِجَالٍ صَالِحِينَ مِنْ قَوْمِ نُوحٍ،

فَلَمَّا هَلَكُوا أَوْحَى الشَّيْطَانُ إِلَى قَوْمِهِمْ، أَنِ انْصِبُوا إِلَى مَجَالِسِهِمُ الَّتِي كَانُوا يَجْلِسُونَ أَنْصَابًا وَسَمُّوهَا بِأَسْمَائِهِمْ، فَفَعَلُوا، فَلَمْ تُعْبَدْ، حَتَّى إِذَا هَلَكَ أُولَئِكَ وَتَنَسَّخَ العِلْمُ عُبِدَتْ»[1]

(حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے: قوم نوحؑ کے بت بعد میں عرب میں تقسیم ہوئے، جہاں تک "ود" ہے تو وہ دومۃ الجندل میں بنو کلب کا تھا، اور "سواع" بنو ہذیل کا تھا، اور "یغوث" شروع بنو مراد کا تھا، ان کے بعد علاقہ سباء کے نزدیک مقامِ جوف میں بنی غطیف کا تھا۔ اور "یعوق" نامی بت بنو ہمدان کا تھا۔ اور "نسر" نامی بت حمیر، ذوالکلاع کا تھا۔ یہ قومِ نوحؑ کے نیک لوگوں کے نام ہیں، جب وہ مر گئے تو شیطان نے ان کے قوم یہ بات سجھائی کہ اپنے مجالس میں بت نصب کر کے ان کے نام ان نیک لوگوں کے ناموں پر رکھ دیں، انہوں نے ایسے ہی کیا لیکن ان کی عبادت نہ کی گئی۔ یہاں تک جب وہ لوگ مر گئے اور علم ختم ہو گیا تو پھر ان کی عبادت بھی شروع ہو گئی۔)

حضرت نوحؑ اللہ کے جلیل القدر پیغمبر تھے۔ اللہ نے ان کو اپنی قوم کے نظریۂ توحید کی اصلاح کے لیے مبعوث فرمایا۔ حضرت نوحؑ کی تبلیغی مساعی ساڑھے نو سو سال جاری رہی اور یہ قوم اعراض عن الحق اور استخفافِ نوحؑ سے باز نہ آئی۔ اس قوم کو اللہ نے طوفان کے عذاب سے دوچار کیا[2]۔

(الف) کشتیٔ نوحؑ کے آثار:

علم الآثار (Archaeology) کے حوالے سے ہمارے سامنے دو سوال ہیں: ایک کیا حضرت نوحؑ کی کشتی کے کوئی آثار باقیہ سلامت ہیں؟ دوسرا یہ کہ عہد نوحؑ کا یہ طوفان قومِ نوح کے علاقے تک خاص و محدود تھا یا کہ تمام کرۂ ارض تک اس کا پھیلاؤ اور محیط تھا؟ اس ضمن میں علم الآثار ہی تاریخی مغالطوں کو دور کر کے ہماری بنیادی راہنمائی کرتا ہے۔ اس بحث میں مفسرین کرام نے مختلف دلائل اور قرائن کی بنیاد پر اپنی آراء قائم کی ہیں۔

حضرت نوحؑ کی کشتی اور جودی پہاڑ کے آثار کے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

"حضرت نوحؑ کا ظہور اس سرزمین میں ہوا تھا جو دجلہ اور فرات کی وادیوں میں واقع ہے۔ دجلہ اور فرات آرمینیا کے پہاڑوں سے نکلے ہیں اور بہت دور الگ الگ بہہ کر عراق زیریں میں باہم مل گئے ہیں اور پھر خلیج فارس میں سمندر سے ہم کنار ہوتے ہیں۔ آرمینیا کے یہ پہاڑ "ارارات" کے علاقہ میں واقع ہیں۔ اسی لیے انہیں تورات میں "ارارات کا پہاڑ" کہا ہے لیکن قرآن نے خاص اس پہاڑ کا ذکر کیا جس پر کشتی ٹھہری تھی وہ "جودی" تھا۔

زمانہ حال کے بعض شارحین تورات کے خیال میں "جودی" اس سلسلہ کوہ کا نام ہے جس نے ارارات اور جارجیا کے سلسلہ ہائے کوہ کو ملا دیا ہے وہ کہتے ہیں۔ سکندر کے زمانے کی یونانی تحریرات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ کم از کم یہ واقعہ تاریخی ہے کہ آٹھویں صدی مسیحی تک وہاں ایک معبد موجود تھا اور لوگوں نے اس کا نام "کشتی کا معبد" رکھ دیا تھا۔"[3]

یعنی سلسلہ کوہِ آرارات بھی برصغیر کے سلسلہ کوہِ ہمالیہ کی طرح ہے جس کے اندر متعدد چوٹیاں ہیں جیسے نانگا پربت وغیرہ۔ اسی طرح سلسلہ کوہِ ارارات کی ایک چوٹی "جودی" ہے۔ جس کا قرآن نے تذکرہ فرمایا ہے اسی پر کشتی ٹھہری تھی۔ اس کشتی کے آثار باقیہ کے متعلق ماہرینِ آثار نے معلومات کو یکجا کیا ہے۔ اس طوفان کے زمانے اور کشتی کی تفصیل کے حوالے سے ایک مفسر رقمطراز ہیں:

''یعنی آخر مخالفین طوفان سے ہلاک ہوگئے اور ان مومنین نے نجات پائی جو سفینہ میں سوار تھے۔ طوفان نوحؑ کا تخمینی سال 3200ق م ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ حضرت نوح کا یہ سفینہ 3 منزلہ تھا۔ تورات میں اس کی پیمائش حسب ذیل ہے طول 300 ہاتھ، عرض 50 ہاتھ، اونچائی 30 ہاتھ۔ تورات کے بیان کے مطابق یہ جہاز تقریباً پانچ ماہ چلتا رہا۔ سرزمین عراق میں اب بھی اس طوفان کے آثار ملتے رہتے ہیں۔''[4]

اس کشتی کے آثار کس علاقے میں دستیاب ہوئے ہیں، اس پر ایک مفسر لکھتے ہیں:

> "ترکی اور روس کی سرحد پر مشرقی اناطولیہ کے پہاڑی سلسلہ میں ایک اونچی چوٹی ہے جس کو ارارات کہا جاتا ہے اس کی بلندی پانچ ہزار میٹر سے زیادہ ہے۔ اس پہاڑی کے اوپر سے اڑنے والے جہازوں کا بیان ہے کہ انہوں نے ارارات کی برف سے ڈھکی ہوئی چوٹی پر ایک کشتی جیسی چیز دیکھی ہے۔ چنانچہ اس کشتی تک پہنچنے کی کوششیں جاری ہیں۔ اہل علم کا خیال ہے کہ یہ وہی چیز ہے جس کو مذہبی روایات میں "کشتی نوحؑ" کہا جاتا ہے۔

اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو اس مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کی کشتی کو آج بھی باقی رکھا ہے تاکہ وہ لوگوں کے لیے اس بات کی نشانی ہو کہ خدا کے طوفان سے بچنے کے لیے آدمی کو پیغمبر کی کشتی درکار ہے۔ کوئی دوسری چیز آدمی کو خدا کے طوفان سے بچانے والی ثابت نہیں ہو سکتی۔"[5]

فاضل مفسرین کی تفسیری آراء جو علم الآثار کے حوالے سے ہمارے سامنے آئی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ کی کشتی کے کچھ آثار سلسلہ کوہِ آرارات کی چوٹی جودی کے قریب پائے گئے ہیں۔ جن سے اس امر کے دلائل و شواہد ملتے ہیں کہ اسی علاقے میں طوفان آیا تھا اور یہیں کشتی رکی تھی۔ اس کشتی کی باقیات سے ماہرینِ آثار یہ اندازے لگا رہے ہیں کہ یہ کشتی کس عہد کی ہے۔ جب کہ علامتیں اور تحقیقاتی قرائن اس کشتی کو حضرت نوحؑ ہی کی کشتی قرار دیتے ہیں۔ ایک اور مفسر اسی موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اس کشتی کے آثار کیسے دریافت ہوئے:

''جودی پہاڑ عراق اور ترکی کے درمیانی علاقے میں (جسے کردستان کہتے ہیں) موصل کی جانب واقع ہے۔ تورات میں حضرت نوحؑ کی کشتی ٹھہرنے کی جگہ ''ارارات'' بتائی گئی ہے جو آرمینیا کے اس پہاڑی سلسلے کا نام ہے جس سے دجلہ اور فرات نکلتے ہیں۔ جودی بھی اسی پہاڑی سلسلے کے ایک پہاڑ کا نام ہے اور آج بھی اسی نام سے مشہور ہے۔ چند سال ہوئے مغربی سیاحوں نے اس پہاڑ پر ایک بڑی کشتی کے ٹوٹے ہوئے تختے بھی دریافت کیے ہیں۔ اگرچہ ان کے متعلق قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ آیا یہ حضرت نوحؑ کی کشتی کے ہی تختے ہیں یا کسی اور کشتی کے۔ واضح رہے کہ حضرت نوحؑ کی قوم دجلہ اور فرات کی وادی ہی میں آباد تھی جو بعد میں عراق کے نام سے مشہور ہوئی۔[6]

حضرت نوحؑ کی یہ کشتی تلمیح کے طور پر انسانی ذہن میں اس واقعے کی پوری تصویر کشی کر کے رکھ دیتی ہے۔ اگرچہ اس کشتی کے دریافت ہونے سے تفسیر قرآنی میں کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں ہوا۔ لیکن علم الآثار کے حوالے سے یہ ان واقعات اور طوفان کی تاریخ کے حوالے سے ایک تائید مہیا کرتی ہے کہ جب اس مغضوب قوم کو طوفان کے ذریعے غرق کیا گیا تو یہ کشتی کس طرح اللہ کی مدد و نصرت کا نشان بن گئی۔ جب اس تناظر میں اس کشتی کے آثار باقیہ ملتے ہیں تو اس کی بدولت غضب الٰہی کا منظر سامنے آجاتا ہے اور انسانیت کے سامنے اس آثاری شاہد اور برہان کی بدولت عبرت اور موعظت کے راستے کھل جاتے ہیں۔

(ب) طوفانِ نوحؑ عام تھا یا خاص:

حضرت نوحؑ کی سرکش قوم کے حوالے سے جو عذاب آیا وہ عالمگیر تھا یا محدود جغرافیے میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ قرآن مجید کے اشارات سے بالواسطہ یہ مترشح ہو رہا ہے کہ یہ طوفان مقامی تھا اور اسی سرکش قوم تک محدود تھا۔ جبکہ کچھ مفسرین اسے عالمگیر قرار دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت روئے زمین پر سوائے حضرت نوحؑ کی قوم کے اور کوئی قوم آباد نہ تھی۔ اس لیے اس طوفان کو عالمی طوفان سمجھنا چاہیے۔ اس دلیل کا حاصل بھی قوم نوحؑ کے معذب ہونے تک محدود رہتا ہے۔

سر سید احمد خان اپنی تفسیر میں طوفان کے خاص ہونے کے قطعیت کے ساتھ قائل ہیں، آپ لکھتے ہیں:

"طوفان کا عام ہونا محض غلط ہے اور قرآن مجید سے اس کا تمام دنیا میں عام ہونا ہرگز ثابت نہیں ہے" [7]

اس ضمن میں سر سید احمد ارضیات (Geology) کے علم سے استدلال کر کے طوفان کا عام ہونا غلط ثابت کرتے ہیں۔

مولانا عبدالماجد دریاآبادی ان دونوں آراء کا تحقیقی جائزہ لیتے ہیں۔

" وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا "[8] یہ الفاظ خود اس پر دلالت کر رہے ہیں کہ طوفان صرف مکذبین و منکرین کے لیے بہ طور سزا کے آیا تھا ساری دنیا سے اس کا تعلق نہ تھا۔ عراق کی سرزمین خصوصاً کوہ ارارات کی وادیوں میں اب تک ایک مہیب طوفان کے نشانات اہل فن کو ملتے رہتے ہیں۔ تورات میں اس طوفان کے سلسلہ میں تصریحاتِ ذیل ملتی ہیں۔[9]

صحف قدیم میں کچھ ایسی روایات ہیں جن سے اس طوفان کے عالمی ہونے کے اشارے ملتے ہیں۔

> "اور نوحؑ چھ سو برس کا تھا جب طوفان کا پانی زمین پر آیا"۔ جب نوحؑ کی عمر چھ سو برس کی ہوئی، دوسرے مہینے کی سترھویں تاریخ کو اسی دن بڑے سمند کے سب سوتے پھوٹ نکلے اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں۔ اور چالیس دن اور چالیس رات زمین پر پانی کی جھڑی لگی رہی" طوفان نوحؑ کا تخمینی سال 3200 ق م ہے یعنی آج 1946 سے پورے 5146 سال قبل۔ فی الفلک کشتی کے لفظ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ یہ کوئی چھوٹی موٹی ڈونگیاں ناؤ تھی۔"[10]

اس سے پتہ چلا کہ اس طوفان کی نوعیت اور طوالت کس قدر تھی اور یہ کشتی بھی کسی چھوٹے بحری جہاز سے کم نہ تھی۔ ماہرین علم الآثار نے اس کی باقیات سے جو اندازہ لگایا ہے وہ یہ ہے:

> "محققینِ اثریات کا خیال ہے کہ یہ خاصہ بڑا جہاز اوپر نیچے تین درجوں کا تھا۔ اور اس کی پیائش تورات میں حسبِ ذیل دی ہوئی ہے: اس کی لمبائی 300 ہاتھ اور اس کی چوڑائی 50 ہاتھ اور اس کی اونچائی 30 ہاتھی (پیدائش؛6:15) گویا اتنا

بڑا مسافروں کا جہاز (Liner) تھا جو برطانیہ اور امریکہ کے درمیان عموماً چلتے رہتے ہیں۔ حسب روایت تورات یہ جہاز 150 دن (5 مہینہ) تک چلتا رہا۔"[11]

مولانا ثناء اللہ امرتسری اس ضمن میں تاریخی اختلاف کو بیان کرتے ہوئے قرآنی اسلوب کو اپنا مستدل بناتے ہیں:

"طوفان نوحؑ میں علماء کا اختلاف ہے کہ دنیا پر تھا یا صرف قوم نوحؑ پر؟ راقم کے خیال ناقص میں پچھلا مذہب صحیح ہے کیونکہ قرآن شریف کے متعدد مواقع سے معلوم ہے کہ جب تک کوئی قوم نبی کا مقابلہ نہیں کرتی اور سچی تعلیم کی تکذیب پر مصر نہیں ہوتی اس کی ہلاکت نہیں ہوتی۔ یہ کہنا کہ حضرت نوحؑ کی تبلیغ سب کو پہنچ گئی اس زمانے کے رسل ورسائل سے عدم واقفیت پر مبنی ہے۔"[12]

تاریخی روایات جو اصل میں آثاری تحقیقات ہیں کیونکہ اس عہد کی کوئی مربوط تاریخ ہمارے سامنے نہیں اور قبل از تحریر تاریخ کا ماخذ بالعموم "علم الآثار" ہی قرار پاتا ہے۔ اس لیے علم الآثار سے جو شواہد ملیں گے ان شواہد کی روشنی میں ہی آیات قرآنیہ کا معنوی رخ متعین کیا جاسکتا ہے۔

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

"ایک یہ کہ دجلہ وفرات کی سرزمین میں تو ایک زبردست طوفان کا ثبوت تاریخی روایات سے آثار قدیمہ سے اور طبقات الارض سے ملتا ہے۔"[13]

طوفانِ نوحؑ کے حوالے سے دو قسم کے دلائل ہیں: ایک قرآنی مجید اور صحف قدیم کے، دوسرے علم الآثار کے۔ جن کے نزدیک یہ طوفان عالمگیر تھا وہ اپنی تحقیق بھی تورات وزبور اور صحف قدیم کے تناظر میں پیش کرتے ہیں۔ مولانا مفتی محمود ان یورپین ماہرین علم الآثار (Archaeologist) کی رائے نقل کرتے ہیں:

"یورپی محققین میں سے بھی بہت سوں کی تحقیق یہی ہے کہ حضرت نوحؑ کے زمانہ میں آنے والا طوفان عام تھا۔ ساری دنیا پر آیا تھا اور تمام انسان ہلاک ہوگئے تھے سوائے ان لوگوں کے جو کشتی پر سوار تھے۔"[14]

طوفان نوحؑ کے عالمگیر یا مقامی ہونے کے حوالے سے قرآنی اشارات اس کے مقامی ہونے کے تائید کرتے ہیں۔ اور کچھ مفسرین اس بحث میں علم الآثار سے مدد لے کر اس سے قرآنی اشارات کی تائید وتوثیق کرتے ہیں۔ یعنی یہاں علم الآثار (Archaeology) قرآنی علوم کے خادم کے طور پر ہمارے سامنے آتا ہے۔ قرآنی آیت" وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا"[15] اسے مغضوب قوم تک محدود کرتی ہے ۔ یہ اللہ کی سنت کے خلاف ہے کہ وہ حضرت نوح کو تو ایک خاص قوم کی طرف بھیجے اور طوفان کا عذاب پوری دنیا پر مسلط کیا جائے؟ اس لیے قرآنی اشارات، کشتی کی باقیات کی روشنی میں ماہرین علم الآثار کے شواہد اور عقل سلیم طوفان کے محدود اور متعین ہونے کی رائے کو ہی وزنی اور حتمی قرار دیتے ہیں۔ اس بحث میں قول راجح کو بیان کرنے کے لیے مفسرین علم الآثار سے استشہاد کرتے ہیں۔

۲۔ قومِ عاد:

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جس قوم کو شہرت حاصل ہوئی وہ قوم عاد تھی۔اس مغضوب قوم کے آثار عرب کے مختلف مقامات پر موجود تھے۔ علم الآثار کے سبب اب ان کی تفصیلات اور تباہی کی کیفیات ہمارے سامنے منقش ہو کر آ جاتی ہیں۔جس کی بدولت محتاط طبیعتوں میں عبرت اور رجوع الی اللہ کے جذبات جنم لیتے ہیں۔ اوراس علم سے استشہاد کے ذریعے انسانیت کو ہدایت کی جانب لایاجاسکتاہے۔

اس قوم کوزمانی اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کیاجاتاہے: عادارم (إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ[16]) یاعاداولیٰ (وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَى[17]) سے مراد وہ قوم ہے جس کی طرف حضرت ہودؑ کو بھیجا گیا تھا۔

> "عاد عرب کی ایک قدیم ترین قوم تھی جو جنوبی عرب میں آباد تھی۔قرآن کے بیان کے مطابق اس کا مسکن "احقاف" کاعلاقہ تھاجو حجاز یمن اور عمان کے درمیان واقع ہے اوراب "ربع خالی" کے نام سے مشہور ہے۔یمن کا شہر حضر موت ان کا پایہ تخت تھا۔"[18]

یہ وہ قوم ہے جس کو حضرت نوحؑ کی قوم کے بعد دنیامیں عروج ملا[19]ان میں انکارِ حق کے ساتھ استکبار اور اپنی نام آوری کا شوق ہوس کی حد تک پہنچ گیا تھا۔اس جھوٹی عظمت کانشان انہوں نے مضبوط پتھروں عمارت قائم کرنے کو سمجھا۔ان "بروج مشيدة" کے سبب وہ آخرت کی پکڑ سے بے خوف ہوگئے۔

ایک مفسر بتاتے ہیں کہ اونچی عمارتیں ان کی متکبرانہ نفسیات کی بنیاد بن گئیں۔

> "عاد کے لیے ذات العماد (اونچے ستونوں والے) کے الفاظ اس لیے استعمال کیے گئے ہیں کہ وہ بڑی بلند عمارتیں بناتے تھے اور دنیا میں اونچے ستونوں پر عمارتیں کھڑی کرنے کا طریقہ سب سے پہلے انہیں نے شروع کیا تھا۔قرآن مجید میں دوسری جگہ ان کی اس خصوصیت کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ حضرت ہودؑ نے ان سے فرمایا" أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ , وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ"[20]

قرآن کی روسے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک ان سے مضبوط اور تنومند قوم صفحۂ ارض پر نہ تھی۔ان کی جسمانی ساخت میں جو پختگی اور پائیداری تھی اس نے اس قوم کو متکبرانہ نفسیات میں مبتلا کر دیا تھا۔قرآنِ مجید نے قومِ عاد کی متکبرانہ نفسیات کے لیے مختلف الفاظ استعمال فرمائے ہیں:

> "یعنی وہ اپنے زمانے کی ایک بے نظیر قوم تھے،اپنی قوت اور شان و شوکت کے اعتبار سے کوئی قوم اس وقت دنیامیں ان کی ٹکر کی نہ تھی۔قرآن میں دوسرے مقامات پر ان کے متعلق فرمایا گیا ہےوَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَسْطَةً، "تم کو جسمانی ساخت میں خوب تنومند کیا"۔[21]فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً، "رہے عاد تو انہوں نے زمین میں کسی حق کے بغیر اپنی بڑائی کا گھمنڈ کیا اور کہنے لگے کون ہے ہم سے زیادہ زور آور؟"۔[22]وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ، "اور تم نے جب کسی پر ہاتھ ڈالا جبار بن کر ڈالا"۔"[23]

قرآن مجید نے ان کی تباہیوں کے نقشے کھینچے ہیں اوراہل ایمان کو متوجہ کیاہے کہ فکر وعمل کی ان کوتاہیوں سے تم نے گریز کرناہے۔**وذکرو اذ جعلکم--**[24]اس مضمون سے مماثل دیگرآیات میں انہیں مسلسل تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ اپنے متکبرانہ رویہ سے باز آجائیں اوراللہ کی نعمتوں کی قدردانی کریں۔اورزمین میں فتنہ وفساد پھیلانے والی روش ترک کردیں۔

"اصل میں لفظ "آلاء "استعمال ہواہے جس کے معنی نعمتوں کے بھی ہیں اور کرشمائے قدرت کے بھی اور صفات حمیدہ کے بھی۔ آیت کاپورا مطلب یہ ہے کہ خدا کی نعمتوں اوراس کے احسانات کو بھی یادرکھواور یہ بھی فراموش نہ کروکہ وہ تم سے یہ نعمتیں چھین لینے کی قدرت بھی رکھتا ہے"[25]

ایسے لوگ اپنی متکبرانہ نفسیات کی وجہ سے اپنامزاج اورمزعومہ عقائد کے خلاف کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے اس طرح کی متکبرانہ نفسیات انہیں راہِ حق سے دور کردیتی ہے اور وہ اللہ کی پکڑسے بے نیاز ہوجاتے ہیں۔جب حضرت ہودؑ نے ان پراحقاقِ حق کی حجت قائم کردی توپھراللہ کی پکڑآگئی۔فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ [26]

"توخدانے طوفانی ہوااور شدید بارش بھیجی جوایک ہفتہ تک مسلسل اپنی تمام خوفناکیوں کے ساتھ رات دن جاری رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پوری قوم اپنے شاندار تمدن سمیت برباد ہوکررہ گئی۔ اس قوم کانشان اب صرف ریگستان ہے جو موجودہ عمان اور یمن کے درمیان دورتک پھیلا ہواہے۔قدیم زمانہ میں یہ علاقہ نہایت شاداب اورآباد تھا۔ مگر اب وہاں کسی قسم کی زندگی نہیں پائی جاتی۔"[27]

سید مودودی ان کی اس تباہی کے احوال میں علم الآثار سے استشہاد کرتے ہوئے بتاتے ہیں۔

> "اور **موجودہ اثری اکتشافات بھی** اس پر شہادت دیتے ہیں کہ عاد اولیٰ بالکل تباہ ہوگئے اوران کی یادگاریں تک دنیا سے مٹ گئیں۔ چنانچہ مورخین عرب انہیں عرب کی اُممِ بائدہ (معدوم اقوام) میں شمار کرتے ہیں۔ پھر یہ بات بھی عرب کی تاریخی مسلمات میں سے ہے کہ عاد کا صرف وہ حصہ باقی رہاجو حضرت ہودؑ کا پیرو تھا انہی کا نام تاریخ میں عاد ثانیہ ہے۔"[28]

اس قوم نے استکبار کے ساتھ ساتھ اپنے پیغمبر حضرت ہود کو ہمیشہ تضحیک آمیز رویوں سے دوچار کیا۔یہ قوم اپنے پیغمبر پر کبھی طنز کرتی اور ان کامذاق اڑاتی ۔ اللہ تعالیٰ نے جواباًان کی طرف سیاہ بادل بھیجاجوبظاہر بارش کابادل تھااور حقیقتاً عذاب کا،یہ ان کے استہزائیہ رویے کاجواب بھی تھا۔تم ہمارے پیغمبر کے ساتھ دھوکہ کرتے ہو کہ ہم ایمان لائے گے۔پھرایمان نہ لاکر طنزیہ کہتے ہو کہ ایمان کی کیااہمیت ہے،اب جواباً تمہارے ساتھ عذاب کامعاملہ بھی ہوگااوراس میں طنز کاطنزیہ جواب بھی ہوگا۔

مولاناعبدالرحمٰن کیلانی اس معذب زمین کے آثار سے استشہاد کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اس بادل کے اندر گندھک تھی جس کی علامتیں اس ارض مغضوبہ سے ملتی ہیں۔

> "یہ بارش برسانے والا بادل نہ تھابلکہ ان کی جانوں پر مسلط ہو جانے والا اللہ کا عذاب تھاجس میں سیاہ غلیظ گندھک کے بخارات ملا ہوادھواں تھا۔ساتھ ہی کسی پہاڑ سے کوئی لاوا پھٹاجس سے شدید زلزلہ آگیااور اس سے ہولناک چیخوں کی آواز بھی آتی رہی جس سے دل دہل جاتے اور کان پھٹے جاتے تھے اور غلیظ دھوئیں نے ان کے جسم میں داخل ہو کر ان

کے دلوں اور کلیجوں کو ماؤف کر دیا اور انہیں سانس تک لینا محال ہو گیا جس سے یہ ساری کی ساری قوم چیخ چیخ کر اور تڑپ تڑپ کر وہیں ڈھیر ہو گئی اور اس شدید زلزلے نے ان کے محلات کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا پہاڑوں میں تراشے ہوئے مکانات سوائے چند ایک کے سب چکنا چور ہو گئے۔"[29]

معارف القرآن میں ان کی اس کیفیت اور آثار سے استشہاد کے تناظر میں تفسیری ترجمہ کرتے ہیں۔

"اور یہ ان کے اجڑے ہوئے مکان اور ان کی تباہی اور بربادی کے نشان اور کھنڈر تمہارے سامنے ہیں۔"[30]

اس قوم کے مضبوط تن و توش نے انہیں جس متکبرانہ نفسیات کا خوگر بنادیا تھا اس کا نتیجہ اصلاح احوال یا مکمل تباہی کی صورت میں نکل کر رہنا تھا۔ ان کے پہاڑوں میں تراشے ہوئے مضبوط مکانات آج بھی غضب الٰہی کی یاد دلاتے ہیں۔ ان کے ویران واجڑے ہوئے مضبوط گھروں کے آثار سے مفسرین کرام استشہاد کرتے ہیں۔ اور نوعِ انسانیت کو اعمالِ بد سے روکنے کے لیے ان آثارِ باقیہ کو نمونۂ عبرت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

قوم عاد کے انجام کے حوالے سے اردو کے تفسیری ادب میں علم الاثار کی جدید تحقیقات سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے اور ان کے انجام کو بطور استشہاد پیش کر کے انسانیت کو موعظت اور ہدایت کی جانب راغب کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ ارض القرآن کے آثار پوری انسانیت کے لیے سبب ہدایت بن سکتے ہیں۔ اور مغربی قوموں کے لیے چونکہ علم الآثار کی اہمیت ہے اس لیے جب قرآن مجید ان آثار کو بطور استشہاد پیش کرتا ہے تو یہ اقوام عقلی بنیادوں پر قرآن کی جانب متوجہ ہو سکتی ہیں۔

۳۔ قوم ثمود:

جب اپنی سرکشی اور طغیان کے سبب قومِ عاد اللہ کی پکڑ کا شکار ہوئی تو اس کے بعد قومِ ثمود ان کی جانشین بنی۔ اس قوم کے اندر بھی اپنی پیش رو قوم والی خرابیاں پیدا ہو نا شروع ہو گئیں۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ اس قوم کا ارضی محل وقوع کیا ہے۔ اور آج کل اسے کس نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور علم الآثار نے اس کی باقیات کو کس طرح دریافت اور محفوظ کیا ہے۔

"حجر قوم ثمود کا مرکزی شہر تھا جو اب مدائن صالح کے نام سے مشہور ہے اور وہاں اس قوم کے تباہ شدہ آثار اب بھی موجود ہیں یہ علاقہ شہر العلاء سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ حجاز سے جو قافلے شام جاتے ہیں وہ لازماً اس سے گزر کر جاتے ہیں اور یہ اس ریلوے لائن کا ایک اسٹیشن بھی ہے جو مدینہ سے دمشق کو جاتی ہے۔"[31]

ایک مفسر اس عہد اور اس میں ان کی اعتقادی اور اخلاقی برائیوں کا نقشہ کھینچتے ہوئے بتاتے ہیں کہ کوئی قوم صرف مادی ترقی کی بنیاد پر تادیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ جب اس کے ہاں خدافراموشی، اور خود فراموشی کی وبا پھیل جائے تو اس سے حق زندگی سلب کر لیا جاتا ہے۔

"ان میں وہ خرابیاں پیدا ہو گئیں جو مادی ترقی اور دنیوی خوش حالی کے ساتھ قوموں میں پیدا ہوتی ہیں۔ عیش پرستی، آخرت فراموشی، حدود اللہ سے بے پروائی، اللہ کی بڑائی کو بھول کر اپنی بڑائی قائم کرنا۔ اس وقت اللہ نے حضرت صالحؑ کو کھڑا کیا تا کہ وہ

ان کواللہ کی پکڑسے ڈرائیں،۔۔۔انہوں نے اپنی حد سے تجاوز کر کے زندہ رہنا چاہا۔ یہ ایک اصلاح یافتہ دنیا میں فساد پھیلانا تھا۔ چنانچہ ان کو دنیامیں بسنے سے نااہل قرار دے دیا گیا۔''[32]

حضرت مولانااحمد علی لاہوری اپنے تحریر کردہ قرآنی حواشی میں"تذکیر باایام اللہ" کی اصطلاح کوآیاتِ قرآنیہ کے تناظر میں بتکرار پیش کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ان مغضوب اقوام کے تباہ وبرباد ہونے کے روحانی واخلاقی اسباب تھے۔ چنانچہ قوم ثمود کے عذاب پر مشتمل رکوع کاخلاصہ بیان کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ کوئی قوم اللہ کے غضب کی مستحق کب بنتی ہے۔

"تذکیر باایام اللہ، قوم ثمود نے دعوت توحید کورد کیااور ہلاک ہوئی۔"[33]

قومِ ثمود کی تمدنی شان وشوکت کے شواہد قرآن پیش کرتا ہے''وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فَارِهِينَ''[34]اور بتاتا ہے ان کے اندر شرک اوراخلاقِ فاسدہ کی بدولت ایک "تمدنی غرور" پیدا ہو گیا تھا، جس نے ان کے تمدن میں ایک بڑا خلا پیدا کر دیا تھاایک طرف یہ ہدایتِ الٰہی سے بے نیاز تھے تودوسری جانب فساد فی الارض ان کی طبیعتِ ثانیہ بن چکا تھا۔

> "ثمود بڑے متمدن لوگ تھے اوران کی شان وشوکت کا یہ حال تھا کہ وہ پہاڑوں کوتراش کران کے اندر عمارتیں بنایا کرتے تھے۔ آج بھی مدینہ منورہ اور تبوک کے درمیان مدائن صالح ۔جس کاقدیم نام حجر تھا- میں ان کی پہاڑوں میں تراش کربنائی ہوئی بہت سی عمارتیں موجود ہیں۔ اس آیت میں" فارھین"کاجولفظ استعمال کیاگیاہے اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ یہ سب کچھ محض اپنی شان وشوکت کے اظہار اوراپنی دولت وقوت اوراعلیٰ تمدن کی نمائش کے لیے کرتے تھے نہ کہ کسی حقیقی ضرورت کے تحت ،اوریہی ایک زوال پذیر تمدن کی شان ہوتی ہے۔"[35]

اس قوم کواپنی خرابیوں اوراعمالِ شرکیہ کااحساس نہ تھااوراحساس دلانے والے کواپنی بگڑی نفسیات کے سبب اپنادشمن سمجھتے تھے۔مزید یہ کہ اس وقت کے دنیاوی علوم وفنون میں انہیں کمال درجے کی مہارت حاصل تھی۔جس نے ان کے اندر غرور نفس، طغیان وعدوان اوراستکبار عن الحق کومزید بڑھادیا تھا۔اس لیے تذکیراورتنبیہ ان پراثرانداز نہ ہورہی تھی اوراپنی مادی وتمدنی ترقی کے سبب ان کاغرور بڑھتاچلا جارہا تھا۔

> "ثمود نے فنِ تعمیر میں کمال پیدا کیا۔ متعلقہ علوم مثلاًریاضی، ہندسہ ،انجنئرنگ میں بھی یقیناًانہوں نے ضروری دستگاہ حاصل کی ہوگی ورنہ یہ ترقیات ممکن نہ ہوتیں۔ مگران کوجس بات کامجرم ٹھہرایاگیاوہ ان کی مادی ترقیاں نہیں تھیں بلکہ زمین میں فساد پھیلانا تھا- اس کامطلب یہ ہے کہ جائز حدود میں ترقی کرنے سے خدانہیں روکتا۔ البتہ زندگی کے معاملات میں آدمی کواس نظام اصلاح کاپابند رہنا چاہیے جوخدانے پوری کائنات میں قائم کرر کھاہے۔"[36]

استکبار وطغیان کے اس پہلوپرایک فاضل مفسران کے آثارِ باقیہ کے متعلق بتاتے ہیں:

"قریب قریب یہی حال قوم ثمود کا تھا،بڑے کاریگر،صنّاع اورانجنئیرز تھے ان کے سترہ سو(1700) شہر اور بستیاں آباد تھیں۔ تبوک سے لے کر وادی القریٰ تک زرخیز زمین ، گھنے باغات اور عالیشان عمارات تھیں۔آج ان کے کھنڈرات دیکھ کرہی آدمی حیران ہو جاتے ہیں۔ تبوک میں پہاڑوں کے اندران کے مکانات کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں۔"[37]

اب اللہ کا قانون مکافات عمل حرکت میں آیا اور اس قوم کو خدائی گرفت کے ذریعے نشان عبرت بنا دیا گیا۔ان پر جو عذاب آیا قرآن مجید نے ان کے لیے مختلف الفاظ استعمال کیے ۔ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی نے ان تمام الفاظ کی مختصراً توضیح کرکے تطبیق فرمادی ہے۔

"”ثمود کو کون سے عذاب سے ہلاک کیا گیا تھا؟اس کے لیے مختلف مقامات پر مختلف الفاظ آئے ہیں: سورہ اعراف آیت ۷۸ میں اس کو الرَّجْفَۃُ (زبردست زلزلہ) کہا گیا ہے۔ سورہ ہود کی آیت نمبر ۶۷ میں الصَّیْحَۃُ (زبردست دھماکہ یا ہیبت ناک چیخ) کا لفظ آیا ہے اور سورہ حم السجدہ کی آیت نمبر ۱۷ میں (صَاعِقَۃُ الْعَذَابِ) (یعنی گرنے والی بجلی کا عذاب) کا لفظ آیا ہے اور یہاں الطَّاغِیَۃ کا لفظ آیا ہے۔ جس سے عذاب میں سخت سرکشی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یہ ایک ہی واقعہ کی مختلف کیفیتوں کا بیان ہے اور وہ عذاب یہ تھا کہ ارضی اور سماوی دونوں قسم کے عذاب قوم ثمود پر یک دم آئے تھے۔"[38]

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی رائے کے حوالے سے ان کی کیفیتِ عذاب پر ایک مفسر لطیف تبصرہ کرتے ہیں:

"شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ ہلاکت کے بیان میں تقدیم وتاخیر میں ایک لطیف نکتہ پنہاں ہے فرماتے ہیں کہ یہاں پر تاریخی ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا گیا بلکہ بیان میں سزا کی نوعیت کا خیال رکھا گیا ہے۔"[39]

گویا ان کی سزا کے اندر الوہی حکمتوں کا ایک جہاں پوشیدہ ہے۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ جب کسی قوم کے روحانی واخلاقی جرائم رکنے نہ پائیں تو اللہ انہیں برباد کرکے رکھ دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کے وسائل حیات اور مضبوط مکانوں پر اپنے قہر کا بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ کوئی دنیوی آسرا ان کے کام نہ آسکا۔

"وہ اپنے گھروں میں ہی مرگئے اور وہیں گلتے سڑتے رہے۔ ان کا علاقہ اس راستہ پر پڑتا ہے جو مدینہ سے تبوک جاتا ہے اور ان کے بہت سے آثار طویل مدت تک دوسروں کے لیے باعث عبرت بنے رہے۔"[40]

ان کے یہی آثار باقیہ تھے جو غزوہ تبوک میں مسلمانوں کے مشاہدے میں آئے۔اور نبی اکرم ﷺ نے ان آثار مغضوبہ کو مقام عبرت قرار دیا اور اہل ایمان کو وہاں سے جلد نکل جانے کی تلقین فرمائی۔

> ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: لَمَّا مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالحِجْرِ قَالَ: «لاَ تَدْخُلُوا مَسَاكِنَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ، أَنْ يُصِيبَكُمْ مَا أَصَابَهُمْ، إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ، ثُمَّ قَنَّعَ رَأْسَهُ وَأَسْرَعَ السَّيْرَ حَتَّى أَجَازَ الوَادِيَ»“[41]
>
> (حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے جب رسول اللہ ﷺ کا گزر حجر پر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ظالموں کی رہائش گاہ میں داخل نہ ہو، تاکہ ان جیسا عذاب تم کو نہ پہنچے۔ مگر یہ کہ تم روتے ہوئے ہو۔ پھر آپ ﷺ نے سر مبارک نیچے کیا تیزی سے وادی کو پار کیا۔)

علم الآثار سے قرآن کا یہی مقصد ہے کہ اہل ایمان کو تذکیر ونصیحت ہو اور دیگر افراد اس سے عبرت حاصل کرکے ہدایت الٰہی کی جانب لپکیں۔

"یہ قوم الحجر میں رہتی تھی جو حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ ہے۔ حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ تک جو میدان نظر آتا ہے یہ سب الحجر ہے ۔آج کل یہ "فج الناقہ" کے نام سے مشہور ہے ثمود کی بستیوں کے کھنڈرات اور آثار آج تک موجود ہیں۔"[42]

ان کی تباہی کے آثار اہل عرب کے مشاہدے میں تھے اس لیے قرآن مجید نے اس راستے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُبِينٍ'' [43] سے مقصود یہی تھا کہ ان آثار مغضوبہ کو دیکھ کر اہل عرب ان سے عبرت حاصل کریں اور اپنے عقیدہ و عمل کی اصلاح کی جانب متوجہ ہوں۔

"ایکہ والے "وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُبِينٍ'' دونوں بڑی شاہراہ پر واقع تھے عراق سے مصر جانے والے لوگ بھی اسی راستے سے ہو کر گزرتے تھے اور حجاز سے شام اور فلسطین کے مسافروں کو بھی اسی شاہراہ سے گزرنا ہوتا تھا اور وہ ان اجڑی ہوئی بستیوں کے کھنڈرات کو دیکھتے تھے۔ مکے کے لوگ بھی اسی راستے سے گزرتے تھے۔ اس لیے اللہ نے ان کو بھی یاد دلایا کہ وہ ان ویران بستیوں سے عبرت حاصل کریں۔"[44]

پہاڑ میں عمارتیں تراشنا کوئی آسان کام نہ تھا اس کے لیے اعلی درجے کی مہارتیں **(Skills)** درکار ہوتی ہیں۔ جس میں انجینئرنگ، ریاضی وغیرہ علوم پر ماہرانہ دسترس ایک لازمی امر ہے۔ جب اس درجہ کی عمارتیں تعمیر و تشکیل پانے لگیں تو قوم میں ایک غرور اور اپنے ناقابل تسخیر ہونے کا احساس ابھرتا ہے۔ اور اس فاسد احساس کے سبب انسان ذات الٰہی سے کٹ جاتا ہے اور ذات باری کے حضور جھکنے سے انکار کرتا ہے ۔ اس استکبار کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قومی نفسیات تکبر و غرور کے سانچے میں ڈھل جاتی ہیں۔ اور دوسرے مرحلے میں تکبر کا نتیجہ غریبوں کا استحصال، ظلم اور فساد فی الارض کی صورت میں نکلتا ہے۔ اس کے بعد اس قوم کے لیے خدائی مہلت ختم ہو جاتی ہے۔

"تَتَّخِذُونَ مِنْ سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ [45] عادیوں کی ثمودی بھی بڑے صناع سنگتراش اور اپنی تعمیرات کے لیے مشہور ہوئے ہیں۔ اور جب ان صنعتوں اور صناعیوں میں اتنے بڑھے ہوئے تھے تو لازمی ہے کہ جن علوم و فنون پر یہ صنعتیں مبنی ہیں یعنی ریاضی، ہندسہ، انجینئرنگ ان میں بھی نہایت ممتاز و بلند پایہ ہوں۔[46]

اس قوم کے عقیدہ اور عمل کے قومی زوال کی ایک مفسر یُوں نشاندہی کرتے ہیں۔

"عرب کے جغرافیہ میں اسلام سے پہلے مختلف قومیں ابھریں مثلاً عاد، ثمود، سبا، مدین، قوم لوطؑ وغیرہ۔ ہر ایک کبر میں مبتلا ہو گئی مگر ہر ایک کا کبر زمانہ نے باطل کر دیا اور بالآخر ان کی حیثیت گزری ہوئی کہانی کے سوا اور کچھ نہ رہی۔ ان قوموں کے کھنڈر چاروں طرف پھیلے ہوئے انسانی عظمت کی نفی کر رہے تھے۔"[47]

قوم ثمود کی اس عبرت ناک داستان کو قرآن مجید نے عبرت اور موعظت کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ اور مفسرین نے اس قوم کے آثار مغضوبہ، کھنڈرات اور تباہ شدہ علاقوں کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں اور اس ضمن میں بتایا ہے کہ آرکیالوجی کے سبب ان آثار سے عبرت حاصل کرنا اور آسان ہو گیا ہے۔ چونکہ اہل مغرب کے ہاں علم الآثار ایک سائنس کا درجہ رکھتا ہے اس لیے قرآن مجید کے مخصوص مقامات پر فاضل مفسرین اس علم سے استشہاد کرتے ہیں اور اس ذریعہ کے سبب ہدایت قرآنی کی جانب انسانیت کو متوجہ کرتے ہیں۔

۴۔ قومِ لوطؑ:

حضرت لوطؑ کی قوم کے حوالے سے ان پر عذاب و گرفت کو قرآنِ مجید نے مختلف اسالیب سے بیان کیا ہے۔ کہیں " وَالْمُؤْتَفِكَاتُ بِالْخَاطِئَةِ "[48] کہا، کہیں ان کے عذاب کی نوعیت فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا[49] سے تعبیر کیا اور کیفیت عذاب کے پس منظر میں متعدد الفاظ استعمال فرمائے۔ اور کفار عرب کو متنبہ کیا کہ تم دوران سفر ان بستیوں سے گزرتے ہو تو ان سے عبرت کیوں نہیں حاصل کرتے؟۔

"یعنی جو قافلے حجاز سے شام یا عراق سے مصر جاتے ہیں یہ بستی ان کے راستے میں پڑتی ہے مگر لوگ ہیں کہ اس میں تباہی کے آثار دیکھ کر کوئی عبرت حاصل نہیں کرتے۔ جدید محققین کا خیال ہے کہ یہ بستی بحر میت کے (جسے بحر لوط بھی کہتے ہیں) جنوب مشرق میں واقع تھی بلکہ اس زمانہ میں اردن کی حکومت بحر میت کے جنوبی حصہ سے اس کے تباہ شدہ آثار برآمد کرنے کی بھی کوشش کر رہی ہے۔"[50]

"کفار قریش کو توجہ دلائی کہ اگر ان کی آنکھیں ہیں تو ان معذب بستیوں سے درس عبرت حاصل کریں جو ان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہیں بلکہ وہ ایسے چلتے راستہ پر واقع ہیں جن سے آئے دن ان کو گزرنا پڑتا ہے۔ یہ واضح رہے کہ سدوم اور عمورہ کی بستیاں حجاز اور شام کے تجارتی راستہ پر واقع تھیں اور یہ راستہ دونوں ملکوں کے تجارتی قافلوں کی عام گزر گاہ تھا۔"[51]

قرآنِ مجید نے ان اقوام کے آثار کو عبرت کے طور پر اس لیے بھی پیش کیا ہے کہ اہلِ عرب ان کے علاقوں اور محلِ وقوع سے بخوبی واقف تھے۔ کوئی مغضوب علاقہ ان کے احاطۂ معلومات سے باہر نہ تھا۔

مولانا ابوالکلام آزاد اس عبرت پذیری کی طرف متوجہ کرتے اور ان آثار سے استشہاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "(قرآن نے) گزشتہ قوموں کے ایام و وقائع کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ان کی بد عملی اور شرارت و سرکشی کا نتیجہ کیسے دردناک عذابوں کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اس سلسلہ میں صرف تین قوموں کا ذکر کیا ہے جن کی آبادیوں پر سے عرب کے قافلے گزرتے رہتے تھے اور ان کی ہولناک ہلاکتوں کے مناظر ان کی نگاہوں سے اوجھل نہ تھے۔ یعنی قوم لوطؑ جس کی بستیاں عرب اور فلسطین کے درمیان شاہراہ عام پر واقع تھیں، قبیلہ مدین کی بستی بحر قلزم کے کنارے تھی اور حجاز سے فلسطین کی طرف جائیں خواہ مصر کی طرف، ان کے کھنڈر راہ میں ضرور پڑتے تھے۔ شہر حجر میں بسنے والی قوم یعنی ثمود جس کا مقام بھی اسی شاہراہ پر واقع تھا یعنی حجاز اور شام کی شاہراہ پر۔"[52]

اس قوم پر جس فعل شنیع کے سبب سے عذاب آیا تھا وہ کسی ایک فرد یا بستی کے ساتھ نہ تھا بلکہ اکثریت اس میں ملوث تھی۔اس کی تفصیل ایک مفسر بیان کرتے ہیں:

"یہ کل چار بستیاں تھیں جن میں چار لاکھ لڑنے والے مرد موجود تھے اور یہ سب بدکار اور مجرم تھے۔ جبرئیلؑ نے اس پورے خطہ زمین کو اپنے پروں پر اٹھایا پھر فضا میں بلندی پر لے کر انہیں اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک زبردست دھماکے کی آواز پیدا ہوئی۔ اس پر بھی اللہ کا غضب فرو نہ ہوا تو پھر اسی خطۂ زمین پر اوپر سے پتھروں کی بارش کی گئی۔ چنانچہ یہ خطہ زمین سطح سمندر سے ٤٠٠ میٹر نیچے چلا گیا اور اوپر پانی آگیا۔ یہی پانی بحر میت یا غرقاب لوطی ہے۔"[53]

ان پر شدت عذاب کی کیفیت اور اللہ کے غضب وقہاریت کے ضمن میں مولانا نعیم الدین مراد آبادی، امام تفسیر حضرت مجاہد کی یہ روایت نقل کرتے ہیں:

"مجاہد نے کہا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور انہوں نے اپنا بازو قوم لوط کی بستیوں کے نیچے ڈال کر اس خطہ کو اکھاڑ لیا اور آسمان کے قریب پہنچ کر اس کو اوندھا کر کے گرا دیا اور اس کے بعد پتھروں کی بارش کی گئی۔"[54]

قوم لوطؑ کے یہ معذب شہر جس سزا سے دوچار ہوئے وہ عبرتناک تھی ۔ قانونِ الٰہی جب حرکت میں آتا ہے تو خشکی اور تری پر اس کی گرفت سے کوئی جائے مفر نہیں ہوتی۔ مفتی محمد شفیع ان کے جرم اور سزا کے درمیان ایک لطیف مماثلت کو بیان کرتے ہیں:

"یہ چار بڑے بڑے شہر تھے جن میں یہ لوگ بستے تھے، انہیں بستیوں کو قرآن کریم میں دوسری جگہ "مؤتفکات" کے نام سے موسوم کیا ہے، جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا تو جبرائیلؑ امین نے اپنا پَر ان سب شہروں کی زمین کے نیچے پہنچا کر سب کو اس طرح اوپر اٹھا لیا کہ ہر چیز اپنی جگہ رہی، پانی کے برتن سے پانی بھی نہیں گرا، آسمان کی طرف سے کتوں اور جانوروں اور انسانوں کی آوازیں آرہی تھیں ان سب بستیوں کو آسمان کی طرف سیدھا اٹھانے کے بعد اوندھا کر کے پلٹ دیا، جو ان کے عمل خبیث کے مناسب حال تھا۔"[55]

قوم لوطؑ پر اس عذاب کے آثارِ باقیہ اب بھی عبرت کے پہلو لیے ہوئے موجود ہیں اور ماہرین علم الآثار اس کی تفصیلات بیان کرتے ہیں۔اور مفسرین کرام، علم الآثار کے ان شواہد سے استشہاد بھی کرتے ہیں:

"حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جس علاقہ میں رہتی تھی ---اب صرف بحیرہ مردار ہی اس کی ایک یادگار باقی ہے جسے آج تک بحر لوط کہا جاتا ہے۔اردن کی وہ جانب جہاں آج بحر مردار یا بحر لوط واقع ہے، اس کے قریب رہنے والوں کا اعتقاد ہے کہ یہ تمام حصہ جو اب سمندر نظر آتا ہے کسی زمانہ میں یہ خشک زمین تھی اور اس پر شہر آباد تھے سدوم اور عامورا وغیرہ یہی تھے ۔ جب قوم لوطؑ پر عذاب آیا اور اس زمین کا تختہ الٹ دیا گیا اور سخت زلزلے آئے تب یہ زمین تقریباً چار سو میٹر سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی ابھر آیا۔ اس سے اس کا نام بحر مردار اور بحر لوط ہے۔ اس زمانہ کے محققین نے بھی بحر مردار کے ساحل پر بعض تباہ شدہ بستیوں کے آثار دیکھ کر یہ یقین کر لیا ہے کہ یہی وہ جگہ ہے جس جگہ کا قرآن مجید نے ذکر کیا ہے۔"[56]

"بحیرۂ مردار" کی وجہ تسمیہ کا تعلق بھی اس قوم پر عذاب سے ہے۔ مولاناآ ابوالکلام آزاد قرآن مجید کے بیان اور صحف قدیم سے مدد لیتے ہوئے اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں اور بالخصوص ماہرینِ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے استشہاد کر کے اس کے نتائج اہل بصیرت کے سامنے رکھتے ہیں اور نوعیت عذاب کی وضاحت کرتے ہیں۔

"تورات میں ہے کہ سدوم اور عمورہ پر آگ اور گندھک کی بارش ہوئی، قرآن میں ہے کہ پتھر گرے، دونوں بیانوں کے جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی حالت پیش آئی ہوگی جیسے آتش فشاں پہاڑوں کے پھٹنے سے واقع ہوتی ہے۔ چنانچہ بحیرۂ مردار **(Dead Sea)** کے جنوب مشرق میں جو ویران علاقہ نظر آتا ہے اس میں موجود کھنڈروں سے پتہ چلتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہ علاقہ نہایت شاداب اور آباد تھا۔ **آثار قدیمہ کے ماہرین کا اندازہ ہے** اس علاقہ کی آبادی وخوشحالی کا دور 2300 ق م سے 1900 ق م تک رہا ہے اور اسی دور میں تقریباً حضرت ابراہیمؑ ہوئے ہیں۔ اس علاقہ میں نفط (تیل) اور اسفالٹ کے گڑھے تھے۔ طبقات الارض کے ماہرین نے اندازہ لگایا ہے کہ زلزلے کے جھٹکوں (جسے قرآن میں الصیحۃ کہا گیا ہے) کے ساتھ پٹرول، گیس اور اسفالٹ بھڑک اٹھے اور سارا علاقہ دلدل سا بن گیا۔ خود بائیبل میں اس کی تفصیل ملتی ہے۔"[57]

خدا کے قانونِ قضی وقدر نے جب ان کے جرائم کی بنا پر ان کی بیخ کنی کا فیصلہ کیا اور انہیں رہتی دنیا تک نشانِ عبرت بنا دیا۔ اس علاقے کی نحوست اور ویرانی آج بھی اس غضبِ الٰہی کے آثار کی یاد دلاتی ہے۔ اس لیے مفسرین کرام اس قوم کے آثارِ مغضوبہ سے استشہاد کر کے اس قوم کی تباہی کے اسباب بیان کرتے ہیں۔

اس تناظر میں سید ابوالاعلیٰ مودودی قرآن مجید، تورات اور یونانی تاریخ کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے ماہرین آثارِ قدیمہ کی تحقیقات سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں اور بحیرۂ مردار اور اس کے گرد وپیش میں ان ماہرین نے جو اثری شواہد مہیا کیے ہیں، ان سے استشہاد کر کے نتائج بھی نکالتے ہیں:

> "بائبل کے بیانات، قدیم یونانی اور لاطینی تحریروں، جدید زمانے کی طبقات الارضی تحقیقات اور **آثار قدیمہ کے مشاہدات** سے اس عذاب کی تفصیلات پر جو روشنی پڑتی ہے اس کا خلاصہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں: بحیرہ مردار (Dead Sea) کے جنوب اور مشرق میں جو علاقہ آج انتہائی ویران اور سنسان حالت میں پڑا ہوا ہے، اس میں بکثرت پرانی بستیوں کے کھنڈروں کی موجودگی پتہ دیتی ہے کہ یہ کسی زمانہ میں نہایت آباد علاقہ رہا تھا۔ آج وہاں سینکڑوں بر باد شدہ قریوں کے آثار ملتے ہیں، حالانکہ اب یہ علاقہ اتنا شاداب نہیں ہے کہ اتنی آبادی کا بوجھ سہار سکے۔ آثار قدیمہ کے ماہرین کا اندازہ ہے کہ اس علاقے کی آبادی وخوشحالی کا دور 2400 ق م سے 1900 ق م تک رہا ہے۔"[58]

قرآن مجید نے والمؤتفکات بالخاطئۃ کی جو تعبیر اختیار کی ہے۔ بحیرۂ مردار میں ان الٹی بستیوں کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ ماہرین علم الآثار نے سیٹلائٹ کے ذریعے ان تباہ شدہ بستیوں کی تصویریں حاصل کرلی ہیں۔ مولانا مودودی آثار کے ان شواہد سے مستفید ہوتے ہیں:

"موجودہ زمانے کے محققین کی عام رائے یہ ہے کہ وہ وادی اب بحیرہ مردار میں غرق ہے، اور یہ رائے مختلف آثار کی شہادتوں سے قائم کی گئی ہے۔ قدیم زمانہ میں، بحیرہ مردار جنوب کی طرف اتنا وسیع نہ تھا جتنا اب ہے۔۔۔ پہلے ایک سر سبز وادی کی شکل میں آباد تھا اور یہی

وہ وادی سدیم (سدوم) تھی جس میں قوم لوط علیہ السلام کے بڑے بڑے شہر سدوم، عمورہ، ادمہ، ضبوئیم اور ضُغر واقع تھے۔ دو ہزار برس قبل مسیح کے لگ بھگ زمانہ میں ایک زبردست زلزلے کی وجہ سے یہ وادی پھٹ کر دب گئی بحیرہ مردار کا پانی اس پر چھا گیا۔ آج بھی یہ بحیرے کا سب سے زیادہ اُتھلا حصہ ہے، مگر رومی عہد میں یہ اتنا اُتھلا تھا کہ لوگ اللّسان سے مغربی ساحل تک چل کر پانی میں سے گزر جاتے تھے۔ اس وقت تک جنوبی ساحل کے ساتھ ساتھ پانی میں ڈوبے ہوئے جنگلات صاف نظر آتے ہیں۔ یہ شبہ بھی کیا جاتا ہے کہ پانی میں کچھ عمارات ڈوبی ہوئی ہیں۔"[59]

قوم لوطؑ کے ذیل میں عذاب اور اس کی تفصیلات متعدد مفسرین کے حوالے سے بیان کی گئی ہیں۔ اگرچہ قدیم مفسرین نے بھی بحیرۂ مردار اور اس کے گردونواح کے معذب علاقے پر روشنی ڈالی ہے۔ لیکن اردو کے تفسیری ادب میں علم الآثار کی تحقیقات سے بھرپور فائدہ اٹھایا گیا ہے، اور ماہرینِ آثارِ قدیمہ کے نتائج اور ان کی ارضیاتی رپورٹس **(Geological reports)** سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔ سیٹلائٹ **(Satellite)** اور علم الآثار کے دیگر جدید طریقوں کے سبب ان الٹی ہوئی بستیوں کی تفصیلات میسر آگئی ہیں۔ اور ہمارے جلیل القدر مفسرین نے ماہرینِ علم الآثار کی تحقیقات سے استشہاد کیا ہے۔

"حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں جن کا تختہ الٹا گیا ہے قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق عرب سے شام کو جانے والے راستہ پر اردن کے علاقہ میں آج بھی یہ مقام سطح سمندر سے کافی گہرائی میں ایک عظیم صحرا کی صورت میں موجود ہے اس کے ایک بہت بڑے رقبہ پر ایک خاص قسم کا پانی دریا کی صورت اختیار کیے ہوئے ہے اس پانی میں کوئی مچھلی، مینڈک وغیرہ جانور زندہ نہیں رہ سکتا اس دریا کو میت اور بحر لوط کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور تحقیق سے معلوم ہوا کہ درحقیقت اس میں پانی کے اجزاء بہت کم اور تیل کی قسم کے اجزاء زیادہ ہیں اس لیے اس میں کوئی دریائی جانور زندہ نہیں رہ سکتا۔"[60]

مفتی محمد شفیع صاحبؒ عوام الناس کے رویے پر افسوس کرتے ہیں کہ ان مغضوب آثار سے عبرت حاصل کرنے کی بجائے انہیں تفریحی مقامات میں بدل دیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس مغضوب جگہ کو دیکھ کر خشیتِ الٰہی اور رجوع الی اللہ کے جذبات پیدا ہونے تھے، وہاں اب لہو ولعب اور تفریح وعیاشی کی رنگینیاں ہیں:

> "آج کل آثار قدیمہ کے محکمہ نے کچھ رہائشی عمارتیں ہوٹل وغیرہ بھی بنا دیے ہیں اور آخرت سے غافل مادہ پرست طبیعتوں نے آج کل اس کو ایک سیر گاہ بنایا ہوا ہے۔ لوگ تماشے کے طور پر اسے دیکھنے جاتے ہیں قرآن کریم نے اسی غفلت شعاری پر تنبیہ کے لیے آخر میں فرمایا (آیت) "اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ" یعنی درحقیقت تو یہ واقعات ومقامات ہر چشم بصیرت رکھنے والے کے لیے عبرت آموز ہیں لیکن اس عبرت سے فائدہ اٹھانے والے مؤمنین ہی ہوتے ہیں دوسرے لوگ ان مقامات کو ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھ کر روانہ ہو جاتے ہیں۔"[61]

قوم لوطؑ نے انسانی تاریخ کے اندر تکذیب رسل کے ساتھ ساتھ شہوت وجنسیت کے باب میں جرم کا ایک قبیح انداز اپنایا۔ اور ہم جنس پرستی کو اپنی ہیجان خیزی کا ذریعہ بنایا۔ بار بار کی پیغمبرانہ تنبیہ کے باوجود یہ قوم اپنے جرائم سے باز نہ آئی تو اسے حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا۔ اس کے گرد وپیش کی پہاڑیوں پر عذاب کے باقیات نظر آتے ہیں۔

۵۔ قوم شعیبؑ:

اس قوم کے اندر پیغمبرانہ تعلیم کاانکاراور حضرت شعیبؑ کااستہزاء بڑے جرائم تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ حب مال کی حرص کے سبب ماپ تول کی کمی کوانہوں نے اپنی اجتماعی عادت بنالیاتھا۔جب کوئی قوم صحیح عقیدے کی تکذیب پر تل جائے اور داعئ حق کی تحقیر کواپنامزاج بنالے۔اوراس کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی پامالی کو قومی روایت بنالے تواللہ کا قانون ایسی قوم کو صفحۂ ہستی سے مٹادیتاہے۔ایک مفسران کے شجرۂ نسب اورعلاقے کے متعلق لکھتے ہیں:

"مدین حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے کانام ہے جو قطورہ کے بطن سے تھا۔جہاں اس نے سکونت اختیار کی تھی وہاں رفتہ رفتہ ایک شہرآباد ہوگیاتھا۔اوروہ شہرمدین ہی کے نام سے مشہور ہوگیاتھا یہ شہرحجاز عرب میں کوہ سینا کے جنوب مشرق میں بحرقلزم کے کنارے سے کسی قدرفاصلہ پرواقع تھااب وہ بالکل ویران اور غیرآباد ہے البتہ اس کے کھنڈرات اور نشانات اب تک موجود ہیں۔"[62]

ایک مفسران کے مغضوب علاقے کاتعارف کرواتے ہیں۔اوراس ابہام کودور کرتے ہیں کہ اصحاب الایکہ اوراصحاب مدین دومختلف قومیں تھیں۔جن کی طرف حضرت شعیبؑ کو بھیجاگیا۔ان دونوں کے علاقے بھی کچھ زیادہ فاصلے پرنہیں۔ان کے آثار باقیہ بتاتے ہیں کہ اللہ کی گرفت کے بعد وہ جگہ کس طرح نمونۂ عبرت بن جاتی ہے۔

"مراد ہیں اس علاقہ کے رہنے والے جہاں اب شہر تبوک واقع ہے۔اس علاقہ میں ایکہ یعنی ایک گھنا جنگل تھا،اس لیے انہیں اصحاب الایکہ (بن والے) کہاگیا۔یہ اوراصحاب مدین دوالگ الگ قومیں تھیں،اوران دونوں کی طرف حضرت شعیبؑ مبعوث ہوئے تھے۔"[63]

اس قوم کی نسبت کی توضیح کرتے ہوئے ایک مفسر لکھتے ہیں:

''ایکہ'' کے لفظی معنی جنگل کے ہیں۔یہ تبوک کاپرانانام ہے۔قوم شعیبؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھی،وہ جس علاقہ میں آباد ہوئی اس کامرکزی شہر تبوک تھااس لیے قرآن میں اس کواصحاب ایکہ کہاگیاہے۔''[64]

اللہ کی سنت یہ رہی ہے کہ وہ کسی قوم کواس وقت تک ہلاک نہیں فرماتاجب تک دلائل وبراہین کے ذریعے اپنی حجت تمام نہ کردے۔اس قوم میں شرک کے ساتھ ساتھ مخلوق خداکے ساتھ زیادتی اوران کے مالی حقوق پرڈاکہ ڈالنادوبڑے جرائم تھے جس کے سبب اس قوم پرعذاب مسلط ہوااوریہ قوم نشانِ عبرت بن گئی۔ان ہی مغضوب آثار سے مفسرین نے استشہاد کیاہے۔

"اس قوم میں دوبڑی خرابیاں تھیں ایک شرک اوردوسرے کاروبار میں بددیانتی اور حق تلفی،شرک سے اللہ تعالیٰ کے حقوق تلف ہوتے ہیں اورکاروبار میں بددیانتی تمام سماجی اور معاشرتی برائیوں کی جڑ ہے اس کے ہوتے ہوئے کوئی قوم راہ راست پر نہیں آسکتی۔"[65]

انہوں نے اپنی اس مرکزیت سے مثبت فائدہ اٹھانے کی بجائے یہ معاشی فساد کا شکار ہو گئے۔ بد دیانتی اور کم ماپ تول کے جرائم معاشی نظام کو تہ و بالا کر دیتے ہیں۔ انکارِ حق کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کے باب میں انہوں نے یہ معاشی فساد برپا کر دیا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد قوم شعیبؑ کے علاقے کی جغرافیائی اہمیت اور تجارتی مرکز کے پہلو سے آشنا کرتے ہیں۔

"بحرِ قلزم کی جو شاخ عرب اور جزیرہ نمائے سینا کے درمیان گزری ہے اسی کے کنارے مدین کا قبیلہ تھا۔ چونکہ یہ جگہ شام، افریقہ اور عرب کے تجارتی قافلوں کا نقطہ اتصال تھی، اس لیے اشیائے تجارت کے مبادلہ کی بڑی منڈی بن گئی تھی اور لوگ خوشحال ہو گئے تھے۔ اس لیے حضرت شعیبؑ نے کہا: (انی أراکم بخیر) میں تمہیں خوشحال پاتا ہوں۔

لیکن جب لوگوں کے اخلاق فاسد ہو گئے تو کاروبار میں خیانت کرنے لگے اور ماپ تول کے انصاف سے ناآشنا ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شعیبؑ نے خصوصیت کے ساتھ اس معصیت سے روکا۔"[66]

اسی بات کو صاحبِ تفہیم نے ان کی ایمانی اور تہذیبی فساد کی اساس قرار دیا ہے:

> "اس قوم میں دو بڑی خرابیاں پائی جاتی تھیں: ایک شرک، دوسرے تجارتی معاملات میں بد یانتی، اور انہیں دونوں چیزوں کی اصلاح کے لیے حضرت شعیبؑ مبعوث ہوئے تھے۔"[67]

ان فاسد معاملات کے بعد اللہ نے اس تہذیب کو ختم کرنے کا فیصلہ فرمایا اور اس قوم کے آثار باقیہ اب بھی انسانیت کو عبرت دلاتے ہیں۔ اور مفسرین ان آثار سے جابجا استشہاد کرتے دکھائی دیتے ہیں:

> "سورہ اعراف اور عنکبوت میں ہے کہ انہیں "رجفة" یعنی زلزلے نے آدبایا اس لیے اغلب یہ ہے کہ پہلے صیحہ (چنگھاڑ) یا سخت چیخ بلند ہوئی ہوگی اور پھر زلزلہ آیا ہوگا۔ آج بھی مدین کے علاقے میں سینکڑوں میل تک جو پہاڑ پائے جاتے ہیں ان پر زلزلے کے آثار ہیں تمام پہاڑ اس طرح سے پھٹے ہوئے ہیں جیسے کسی زبردست زلزلے نے انہیں کھیل کھیل کر دیا ہو۔"[68]

یعنی زلزلے کی تباہی نے پہاڑوں میں بڑی بڑی دراڑیں ڈال کر گویا ان کو چیر پھاڑ دیا تھا۔ یہ آثار باقیہ انسان کو دہلا کر رکھ دیتے ہیں۔ اس عذاب کے صدیوں بعد دیگر اقوام میں یہ قہرِ الٰہی بطور مثال مشہور ہو گیا۔ سید مودودیؒ صحف قدیم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "مدین کی یہ تباہی مدت ہائے دراز تک آس پاس کی قوموں میں ضرب المثل رہی ہے، چنانچہ زبورِ داؤد میں ایک جگہ آتا ہے کہ اے خدا فلاں فلاں قوموں نے تیرے خلاف عہد باندھ لیا ہے لہٰذا تو ان کے ساتھ وہی کر جو تو نے مدین کے ساتھ کیا (83-5تا9) اور یسعیاہ نبی ایک جگہ بنی اسرائیل کو تسلی دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ آشور والوں سے نہ ڈرو، اگرچہ وہ تمہارے لیے مصریوں کی طرح ظالم بنتے جا رہے ہیں۔ لیکن کچھ دیر نہ گزرے گی کہ رب الافواج ان پر اپنا کوڑا برسائے گا اور ان کا وہی حشر ہوگا جو مدین کا ہوا۔" (یسعیاہ: 10-21تا26)۔"[69]

یہ مقامات اب بھی مرقع عبرت ہیں۔ ان کا ہر ہر کونہ عبرت کی داستانوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ ایسے مقامات پر حصولِ عبرت کے لیے جانا قرآنی تلقین ہے تاکہ اقوامِ سابقہ کے انجام کو دیکھ کر اپنے معاملات کو درست کیا جا سکے۔ اس لیے بھی کہ قرآن کا یہ حکم ہے کہ ان جگہوں سے نتائجِ عبرت اخذ کیے جائیں۔ مولانا سرفراز صفدر صاحب اس قرآنی تلقین کی توضیح میں لکھتے ہیں:

"ان نافرمان قوموں کے انجام اور حشر کو دیکھنے کے لیے زمین پر چلو پھرو۔"[70]

اور ان آثار سے استشہاد کر کے قرآن مجید کے پیغامِ ہدایت کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ ان قوموں کو جو مہلت دیتا ہے وہ کب اور کس طرح ختم ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ پیغمبر وقت کی دعوتی مساعی اور اس کی پذیرائی و عدم پذیرائی کے عمل کا عذاب الٰہی سے کیا تعلق ہے؟ مولانا شبیر احمد عثمانی اس کا نہایت حکیمانہ اور لطیف جواب دیتے ہیں:

> "جب کسی شخص یا جماعت کے راہِ راست پر آنے کی طرف سے قطعاً مایوسی ہو جائے اور نبی ان کی استعداد کو پوری طرح جانچ کر یہ سمجھ لے کہ خیر کے نفوذ کی ان میں مطلق گنجائش نہیں بلکہ ان کا وجود ایک عضو فاسد کی طرح ہے۔ جو یقیناً باقی جسم کو بھی فاسد اور مسموم کر ڈالے گا تو اس وقت ان کے کاٹ ڈالنے اور صفحۂ ہستی سے محو کر دینے کے سوا دوسرا کیا علاج ہے۔"[71]

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن میں مذکور مغضوب اقوام اسی سبب قہرالٰہی کا مورد بنیں جب انہوں نے انکارِ حق کا ہر انداز اختیار کر لیا، اور قبولِ حق کی استعداد اپنے ہاتھوں ضائع کر دی، تب ان پر اللہ کا فیصلہ بصورتِ عذاب نافذ ہو گیا۔

خلاصۂ استشہاد:

اردو کے تفسیری ادب میں مغضوب اقوام کے ان آثار سے بقدر ضرورت استشہاد کیا گیا ہے۔ مفسرین کرام کو ان آثار باقیہ سے متعلق کوئی مستند آرکیالوجیکل معلومات ملیں تو وہ انہیں اپنی تفاسیر کا حصہ بناتے ہیں اور علم الآثار کی جدید تحقیقات سے استشہاد کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کیونکہ آج کے دور میں آرکیالوجی ایک باقاعدہ سائنس کا درجہ اختیار کر چکی ہے اس لیے اس کی تحقیقات اور آرکیالوجیکل مؤیدات سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں رہا۔ اور ایسے مباحث میں علم الآثار ایک خادم قرآن کے طور پر سامنے آتا ہے۔

اس استشہاد کی بدولت ان قرآنی مقامات کی بہترین تفسیر میسر آگئی ہے۔ اور مفسرین نے آرکیالوجی کے ذریعے نصحیت و عبرت اور بصائر و بینات کے پہلو کھول کر انسانیت کے سامنے رکھ دیے ہیں۔ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ[72]

Refrences

[1]- صحیح بخاري، بَابُ {وَدًّا وَلاَ سُواعًا، وَلاَ يَغُوثَ وَيَعُوقَ}، حدیث نمبر 4920

Sahih buKhari, bab: wodan wa la suwaao wa la yaghos wa yauoqa, Hadees number:4920

[2] -قرآن کریم:الأعراف7: 59-64

Quraan kareem, al aaraf7: 59-64

[3]-آزاد، مولانا ابوالکلام، ترجمان القرآن، اسلامی اکادمی، اردو بازار لاہور، س ن، ج2ص 250،249

Azad, Molana Abu Al Kalam, Trjaman ul Quran, Islami academy, urdu bazar, lahore, seen, noon, jeem 2, saud 250, 249

[4]-محمد عبدہ، مولانا، اشرف الحواشی، ناشران قرآن مجید وتاجرانِ کتب، ایبک روڈ، نیوانارکلی، لاہور، پاکستان، س ن، ص191

Muhammad Abda, molana, ashraf ul hawashi, nashran e quran mjeed wa tajran kutub, aibak road, new anarkali, lahore, pakistan, seen noon, saud 191

[5]-وحیدالدین خان، مولانا، تذکیر القرآن، مکتبۃ الرسالہ، نئی دہلی، 2018ء، ص1102

Waheed ud deen khan, molana, tazkeer ul quran, mktaba al risala, new dehli, 2018, saud 1102

[6]-اشرف الحواشی، ص272

Ashraf ul hawashi, saud 272

[7]-سر سید احمد خان، وھوالھدیٰ والفرقان، سر سید ریسرچ اکیڈمی، لاہور، 2010ء، ج2، ص168

Sir syed ahmad khan, wa hua alhuda wa al furqan, sir syed research academy, lahore, 2010, jeem 2, saud 168

[8]-قرآن کریم: اعراف: 64:7

Al quran, a raf, 7: 64

[9]-دریاآبادی، عبدالماجد، مولانا، تفسیر ماجدی، تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی۔لاہور، 2001ء، ص339، پیدائش، ج7، ص6، ج7، ص11، 12

Drya abadi, abdul majid, molana, tfseer majdi, taaj company limited, karachi,lahore, 2001, pai daish, jeem 7, saud 6, jeem 7, saud 12, 11, saud 339

[10]-حوالہ بالا، ص339

Hawala bala, saud 339

[11]-حوالہ بالا، ص339

Hawala bala, saud 339

[12]-امرتسری، ابوالوفاثناءاللہ، مولانا، تفسیر ثنائی، ثنائی اکادمی لاہور، پاکستان، س ن، ص270

Amar tasri, abu alwfa sna ullah, molana, tfseer snai, snai academy, lahore, pakistan, seen, noon, saud 270

[13]-مودودی، سید، ابوالاعلی، مولانا، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، 1979ء، ج2، ص342

Mododi, syed, abu al ali, molana, tfheem al quran, adara, trjaman ul quran, lahore 1979, jeem2, saud342

[14]-مفتی محمود، تفسیر محمود، جمعیۃ پبلیکشنز، لاہور، 2006ء، ج2ص226

Mufti mehmood, tfseer mehmood, jmia publication, lahore, 2006, jeem6, saud 226

[15]-قرآن کریم: اعراف: 64:7

Al quran, al araf, 7: 64

[16]-قرآن کریم:الفجر:7:89

Al quran, al fajar, 7: 89

[17]-قرآن کریم:النجم:50:53

Al quran, al najam, 50: 53

[18]-اشرف الحواشی،ص191

Ashraf al hawashi, saud 191

[19]-قرآن کریم:الاعراف:69:7

Al quran, al alraaf, 7: 69

[20]- تفہیم القرآن،ج6،ص329

Tfheem al quran, jeem 6, saud 329

[21]-قرآن کریم:الاعراف:69:7

Al quran, al araf, 7: 69

[22]-قرآن کریم:حم السجدہ:15:41

Al quran, ha meem sjda, 15: 41

[23]- تفہیم القرآن،ج6ص329

Tfheem al quan, jeem 6, saud 329

[24]-''وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِنْ سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ''(قرآن کریم:الاعراف:74:7)

Waz kro iz jalalakum khulafa min bad aad wa bwa kum fe al arz tankloon min shoona qsooran w tinhatoon al jibal byootan fazkro ila illah wa la ta asso fe al araz mufsdeen

[25]- تفہیم القرآن،ج2،ص45

Tfeem al quran, jeem 2, saud 45

[26]-قرآن کریم:الشعراء:139:26

Al quran, al shura, 139: 26

[27]-وحیدالدین خان،مولانا،تذکیر القرآن،مکتبہ الرسالہ، نئی دہلی،2018ء،ص1041

Wheed ud deen, khan, molana, tzkeer al quran, mktaba al rasala, new dehli, 2018, saud 1041

[28]- تفہیم القرآن،ج2،ص47

Tfheem al quran, jeem 2, saud 47

[29]-کیلانی،عبدالرحمن،مولانا،تیسیر القرآن،ناشر مکتبۃ السلام سٹریٹ نمبر:20،وسن پورہ لاہور،1433ھ،ج2،ص71

Keelani, abdur rehamn, molana, taiseer al quran, nashir mktaba al salam, streer number 20, wsn pura, lahore, 1433 hjri, jeem 2, saud 71

[30]- شفیع، محمد، مفتی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، 2006ء، ج4، ص45

Shafee, muhammad mufti, ma arif al quran, adara al ma araf, karachi, 2006, jeem 4, saud 45

[31]-اشرف الحواشی، ص319

Ashraf alhawashi, saud 319

[32]-تذکیر القرآن، ص384

Tazkeer al quran, saud 284

[33]-لاہوری، احمد علی، مولانا، ترجمہ قرآن، ناشر انجمن خدام الدین، لاہور، پاکستان، خلاصہ رکوع6، ص363

Lahori, ahmad ali, molana, trjama, quran, nashir anjuman khuddam al deen, lahore, pakistan, khulasa rkoo 6, saud 363

[34]-قرآن کریم: الشعراء: 149:26

Al quran, al shura, 149: 26

[35]-اشرف الحواشی، ص445

Ashraf alhawashi, saud 445

[36]-تذکیر القرآن، ص385

Tazkeer al quran, saud 385

[37]-صوفی، عبدالحمید سواتی، معالم العرفان، ناشر مکتبہ دروس القرآن، فاروق گنج، گوجرانوالہ، 2010ء، ج19، ص127

Sufi, abdul hameed swati, ma alim al afran, nashir mktaba droos al quran, farooq ganj, gujranwala, 2010, jeem 19, saud 127

[38]-تیسیر القرآن، ج4، ص508

taiseer al quran, jeem 4, saud 508

[39]-معالم العرفان، ج19، ص126

ma alim al afran, jeem 19, saud 126

[40]-تیسیر القرآن، ج2، ص499

Taiseer al quran, jeem 2, saud 499

[41]- صحیح بخاری، باب نُزُولِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحِجْرَ، حدیث نمبر: 4419

Saheeh bukhari, baab bazool al nabi SAW, al hajar, hadith number: 4419

[42]-سعیدی، غلام رسول، تفسیر تبیان القرآن، فرید بک سٹال، 38اردو بازار، لاہور2، 2009ء، ج4، ص209

Saeedi, ghulam rasool, tfseer tbyan al quran, freed book staal, 38 urdu bazar, lahore 2, 2009, jeem 4, saud 209

[43]-قرآن کریم: الحجر: 79:15

Al quran, al hajar, 79: 15

[44]-معالم العرفان،ج11،ص415

Ma aalim al arfan, jeem 11, saud 415

[45]-قرآن کریم:اعراف:74:7

Al quran, al araf, 7: 74

[46]-تفسیر ماجدی،ص341

Tfseer majdi, saud 341

[47]-تذکیر القرآن،ص1089

Tzkeer al quran, saud 1089

[48]-قرآن کریم:الحاقہ:69:9

Al quran al haqa, 9: 69

[49]-قرآن کریم:الحجر:74:15

Al quran, al hajar, 15: 74

[50]-اشرف الحواشی،319

Ashraf al hawashi, 319

[51]-اصلاحی، امین احسن، مولانا، مبادی تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ج4، ص371

Aslahi, ameen ahsan, molana, mbadi tadabr e quran, faran foundation, lahore, 1988, jeem 4, saud 371

[52]-ترجمان القرآن ج2ص366

Trjmaan al quran, jeem 2, saud 366

[53]-تیسیر القرآن، ج2ص497

Taiseer al quran, jeem 2 , saud 497

[54]-مراد آبادی، سید، نعیم الدین، خزائن العرفان، ناشر قدرت اللہ کمپنی، لاہور، س ن، ص208

Murad a badi, syed, naeem al deen, khazain al alfaan, nashir, qudrat allah company, lahore, seen noon, saud 208

[55]-معارف القرآن، ج4ص655

Ma arif al quran, jeem 4, saud 655

[56]-تبیان القرآن، ج4، ص215

tbyan al quran, jeem 4, saud 215

[57]-ترجمان القرآن، ج3، ص139،138

Trjmaan al quran, jeem 3, saud 139, 138

[58]-تفہیم القرآن، ج3، ص529

Tfheem al quran, jeem 3, saud 529

[59]- تفہیم القرآن، ج3ص530

Tfheem al quan, jeem 3, saud 530

[60]- معارف القرآن، ج5ص308

Ma arif al quran, jeem 5, saud 308

[61]- معارف القرآن، ج5ص308

Ma arif al quran, jeem 5, saud 308

[62]- کاندھلوی، شیخ ادریس، معارف القرآن، فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ، 2001ء، ج3، ص158

Kandhlwi, shiekh adrees, ma arif al quran, freed book depot limited, 2001, jeem 3, saud 158

[63]- اشرف الحواشی، ص319

Asraf al hawashi, saud 319

[64]- تذکیر القرآن، ص1045

Tazkeer al quran, saud 1045

[65]- اشرف الحواشی، ص194

Asraf al hawashi, saud 194

[66]- ترجمان القرآن، ج2، ص269

Trjmaan al quran, jeem 2, saud 55

[67]- تفہیم القرآن، ج2، ص55

Tfheem al quran, jeeem 2, saud 55

[68]- اشرف الحواشی، ص279

Ashraf al hawashi, saud 279

[69]- تفہیم القرآن، ج2ص58

Tfheem al quran, jeeem 2, saud 58

[70]- صفدر، مولانا سرفراز خان، ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن، لقمان اللہ میر اینڈ برادرز، گوجرانوالہ، 2013ء، ج6، ص47

Safdar, molana sarfarz khan, zkheer tul jinnan fe feham al quran, luqman allah meer and brothers, gujranwala, 2013, jeem 6, saud 47

[71]- عثمانی، مولانا شبیر احمد، تفسیر عثمانی، فہد پریس، مدینہ منورہ سعودیہ عربیہ، ص758

Usmani, molana shbeer ahmad, tfseer usmani, fehd press, madina munawara, saudia arabia, saud 758

[72]- قرآن کریم: الحشر: 2:59

Al quran, al hashar, 2: 59